ضبط وترتیب: صاحبزادہ اسامہ سمیع
متعلم دورہ حدیث حقانیہ

حضرت مولانا سلیمان حسنی ندوی کی دارالعلوم آمد اور خطاب

۱۰ جنوری ۲۰۱۸ بروز بدھ عالم اسلام کے نامور اسکالر اور دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو کے فاضل اور مورخ اسلام حضرت علامہ سید سلیمان ندوی کے فرزند ارجمند یونیورسٹی آف ساؤتھ افریقہ ڈربن کے پروفیسر حضرت مولانا ڈاکٹر سید سلمان ندوی حسنی صاحب مدظلہ دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے جہاں حضرت مہتمم صاحب نے ان کا طلباء سے مختصر تعارف کرایا اور پھر بعد میں انہوں نے ایوان شریعت ہال میں طلباء سے خطاب فرمایا۔

خطاب حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ

میرے انتہائی عزیز طلبا کرام اساتذہ کرام!
آج ہم یہاں ایک بہت جلیل القدر عظیم المرتبت مہمان کے دیدار سے مشرف ہورہے ہیں، اللہ نے ہمیں یہ سعادت گھر بیٹھے ہوئے دی ہے، حضرت مولانا ڈاکٹر سلمان ندوی صاحب۔

علامہ سلیمان ندوی کا مقام اور ان کو خراج عقیدت

آپ سب علمی حلقے جانتے ہی ہوں گے کہ یہ ایک بہت بڑے عظیم المرتبت والد کے جانشین اور خود بھی الحمدللہ الولد سر لأبیه خیر خلف لخیر سلف کے مصداق ہیں، آپ جانتے ہوں گے علامہ حضرت سید سلیمان ندویؒ برصغیر کے بلکہ پورے عالم اسلام کے سب سیرت الرسولؐ کے سب سے بڑے مصنف ہیں، اللہ نے ان کو وہ مقام دیا سیرت لکھنے کا جو عرب وعجم میں کسی کو نہیں دیا۔ سیرت النبیؐ ۶ جلدوں میں چھپی تھی اور اب حضرت نے فرمایا کہ ساتویں جلد بھی جن کا موضوع سیاست ہے ''سیاست نبویؐ'' وہ بھی تیار ہو کر چھپ گئی ہے، تو بہرحال علامہ کا بہت بڑا مقام تھا کیونکہ سیرت النبیؐ ایک بڑا عظیم کام اللہ نے ان سے لیا، پشتو میں بھی چھپی ہے، فارسی میں بھی اور غالبا عربی زبان میں بھی چھپی ہے ترکی سے۔ اس کے علاوہ بڑا مقام تھا۔ برصغیر میں ام المومنین حضرت سیدہ عائشہؓ کی سب سے پہلی سیرت انہوں نے لکھی، ارض القرآن قرآن کریم کے جو تاریخی مقامات پر تحقیقی کتاب لکھی، اسی طرح اور بہت ساری کتابیں ہیں، ، اسلامی سیاست کا نقشہ جو فاروق اعظم نے قائم کیا، یورپ بھی اس سے مستغنی نہیں ہوسکتا ہے تو ان کا ان

میدانوں میں بڑا مقام تھا اور ندوۃ العلماء جو برصغیر کا سب سے بڑا دینی و دنیوی جدید اور قدیم علوم کا ایک جامع ادارہ تھا، اسکی تاسیس میں بھی اس کے نشوونما میں بھی حضرت علامہؒ کا بہت بڑا حصہ ہے۔ اللہ نے اتنے عظیم علمی کام کرواتے۔

سلوک اور روحانیت کی خاطر حضرت تھانوی سے وابستگی

اس کے باوجود آخر میں انہوں نے ضرورت محسوس کی کہ ایک تصوف و روحانیت اور ارشاد و سلوک کے بغیر انسان کامل نہیں ہوسکتا ہے تو وہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت نے بھی بہت بڑی خوشی کا اظہار کیا اور فخر کیا کہ ایسا عظیم المرتبت شخص اگر میرے پاس آتا ہے تو اس پر ہمیشہ فخر کرتے تھے، ان کا مشہور قصیدہ (از سلیمان گیر اخلاص و عمل) علامہ سلیمان ندوی کے بارے میں ایک پیر نے مرید کے بارے میں ایسا قصیدہ نہیں لکھا کہ ندوی کو منزہ سمجھو

ع...... داں تو ندوی را منزہ از دغل (ندوی کو غل و غش سے پاک سمجھو) پھر اپنی لاٹھی عصاء حضرت تھانویؒ نے حضرت علامہ سلیمان ندوی کو دے دی ہے تو وہ بہت خوش ہوئے کہ میں اس کو استقامت علی العمل سے تعبیر کرتا ہوں، استقامت کی طرف گویا آپ نے اشارہ کیا ہے اور پھر یہ بھی فرمایا کہ یہ عصاء موسویؑ ہے تو گویا حضرت کے پاس وہ گئے اور حضرت نے خلافت سے نوازا الحمدللہ۔ یہ حاسدین کو اور مخالفین کو بڑی بات چبھ گئی کہ علامہ سلیمان ندوی سیرت النبیؐ کے مصنف بہشتی زیور کے سامنے سیرت النبی کو جھک گیا، بہشتی زیور تو بچیوں کی کتابیں ہیں لیکن وہ مقام جانتے تھے ایک دوسرے کا۔

پاکستان میں قوانین اسلامی کی تدوین کی خدمات

بہرحال پھر یہاں پاکستان بنا، یہاں اسلام کی قانون سازی کا کام تدوین قوانین کا کام سب سے پہلے نظر علامہ سلیمان ندوی کی پڑی، اس وقت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور یہ سب لوگ قرارداد مقاصد کی طرف جارہے تھے، یہ سیکولرزم لبرل ازم کا دور پاکستان پر نہیں آیا تھا، یہ سوچ نہ تھی بلکہ یہ اسلامی بنیادوں پر استوار ہورہی ہے ریاست پاکستان تو اس کام کے لئے بھی علامہ سلیمان ندوی کا انتخاب ہوا، پھر وہ ہندوستان سے ان کو مجبور کرکے لایا گیا، یہ ادارہ تعلیمات اسلامی کا جو بول بالا تھا وہ حضرت سلیمان ندوی کی صدارت میں اس نے بعد میں جاکر نظریاتی کونسل وغیرہ کی شکل اختیار کی تو بہرحال حضرت کا تو بہت بڑا مقام تھا، اللہ نے انکو بھی الحمدللہ وہی صفات دیئے ہیں، حضرت علامہ پہلے بھی ایک دفعہ تشریف لائے تھے۔

ندوی اکابر کی ناچیز اور حقانیہ سے محبت اور اسکی بنیادی وجہ سرزمین اکوڑہ سے سید احمد شہید کے جہاد کا آغاز

اس خاندان کی محبت ہے دارالعلوم کیساتھ۔ اس سارے طبقے کا آپ کو معلوم ہے کہ حضرت مولانا سید

ابوالحسن علی ندوی کی ،ان کو کتنی محبت تھی اس ناچیز کیساتھ اور دارالعلوم کے ساتھ۔اس کی بنیاد یہ تھی کہ جہاد کا آغاز اس سرزمین اکوڑہ خٹک پر ہوا، سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ نے پہلی جنگ یہاں لڑی ہے۔

پانچ سو سال بعد سب شرائط پر پورا اترنے والا جہاد

مولانا علی میاں نے اکوڑہ خٹک میں کہا کہ یہ ۵۰۰ سال بعد صحیح اسلامی جہاد تھا، پوری شرائط پر اترتا ہوا کہ جزیے کی دعوت دی گئی ، اور اسلام کی دعوت دی گئی ، واما الاسلام اواماالجزیۃ اور اگر یہ سب شرائط پورے نہ ہوں تو پھر تلوار اور پھر جہاد صحیح معنوں میں یہاں سے شروع ہوا، اس رات کو سید احمد شہید لیلۃ الفرقان کہتے تھے، ۷۰۔۸۰ آدمی یہاں اکوڑہ خٹک میں ہندوستان کے شہید ہو گئے تھے۔جن کے نام حضرت سید صاحبؒ نے خطوط میں لکھے ہیں، ہندوستان بھیجے تھے، سید احمد شہیدؒ کے مکتوبات میں ہے کہ ان میں ۷۰ وہ تھے، جو بادشاہوں کے شہزادوں جیسے لوگ اللہ کی راہ میں ہندوستان سے چلے اور اکوڑہ خٹک پہنچ کر جہاد کا آغاز کیا۔

لانگ مارچ تو ماؤزے تنگ کا نہیں سید احمد شہید کا تھا: جنگ اکوڑہ کی کچھ تفصیل

یہ ماوزے تنگ والا میں کہتا ہوں لانگ مارچ نہیں تھا لانگ مارچ تو سید احمد شہیدؒ کا تھا جو وہاں سے ڈیڑھ دو سال چلے اور افغانستان کے راستے درہ بولان سے آئے اور آتے آتے اکوڑہ خٹک کے پاس دریا کے پار انہوں نے پڑاؤ کیا اور رات کو سکھوں پر حملہ کیا سردار بدھ سنگھ جو رنجیت سنگھ کا بھائی تھا وہ خود دس ہزار فوج کے ساتھ یہاں خیمہ زن تھا اور انہوں نے رات کو جب چھاپہ مارا شام سے پہلے وہ یہاں اردگرد کے چھوٹے چھوٹے گھڑے تھے یہ بنجر علاقہ تھا اس میں مجاہدین چھپ گئے اور رات کو پھر حملہ کیا اور اللہ نے فتح دی بہت بڑی فتح تھی، اس 70 کے علاوہ ہمارے افغان پٹھان بھی شہید ہوئے تھے لیکن ان کے نام تو انہوں نے وہاں نہیں بھیجے تھے تو یہ گویا 500 سال بعد باضابطہ جہاد کا آغاز تھا

روس اور امریکہ اس جہاد اکوڑہ کی وجہ سے ذلیل ہوا: بھاری ایٹمی پانی تو شہید کا خون ہے

یہ جہاد اس لئے موثر اور مضبوط جہاد تھا کہ میں کہتا ہوں آج روس بھی اس جہاد کی وجہ سے گیا ہے آج امریکہ بھی ذلیل و خوار ہو کر رسوا ہو رہا ہے یہ جو خون یہاں اکوڑہ میں جذب ہو گیا ہے یہ جو ایٹمی پانی کہتے ہیں ، بھاری پانی یہ بھاری پانی پتہ نہیں ہم نہیں سمجھتے کہ کیا ہوتا ہے اس سے ایٹم بم بنتا ہے۔تو میں کہتا ہوں کہ بھاری پانی شہید کا خون ہوتا ہے جس نے ایٹمی قوتوں کو بٹھا دیا ، دو ایٹمی قوت شہید کے خون کے سامنے ذلیل و خوار ہو گئے اس جہاد کی وجہ سے ہندوستان آزاد ہوا امریکہ ذلیل و خوار ہوا اس جہاد کی وجہ سے روس اسی حقانیہ کی بنیادوں میں جذب شہداء کے خون سے شکست کھا گیا۔ان عظیم لوگوں نے روس کو شکست دی حقیقت میں وہی شہداء کا خون کام آیا وہ خون اب تک چل رہا ہے۔

اکیلے سپر پاور کی سرکوبی افغان مجاہدین طالبان کررہے ہیں

پھر امریکہ اپنے کو دنیا کا سپر پاور کہلا بیٹھا کہ میں اب اکیلے سپر پاور ہوں تو طالبعلموں نے اس کو ناکوں چنے چبوا دیئے، یہ انہی کی برکت ہے۔ سخت سردیوں میں ہوائی چپلوں میں برفانی ہواؤں میں انہوں نے اپنے پاؤں کی انگلیاں کاٹ دی ہیں لیکن وہ ڈٹے ہوئے ہیں، اگر دنیا کے بہت بڑے سپر پاور کو افغان طالبان شکست نہ دیتے تو امت کی ناک آج کٹ چکی ہوتی، ڈیڑھ ارب لوگوں کے ۵۰۔۶۰ حکمران سب ان کے حواری ہیں ان کی کٹھ پتلیاں ہیں تو جہاد کا نام ونشان مٹ چکا ہوتا، اس لئے سب آج جہاد کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں

صدر ٹرمپ کی دھمکی کا علاج بھی جہاد ہے

لیکن اب ٹرمپ نے پاکستان کو دھمکی دی ہے تو میں نے کہا کہ اب ہمت ہے تو کھڑے ہو جاؤ اب ایک ایک مولوی کے پاس جاؤ گے مسجدوں میں کہ بھائی جہاد کی بات کرو ہم سے تو اکیلے نہیں سنبھالا جاتا یہ محاذ و ملک، تو اِسی جہاد کے پیچھے آؤ گے اور پہلے تو سینکڑوں مولویوں کو تہہ خانوں میں جیلوں میں ڈالا ہوا ہے، مدرسوں پر حملے ہو رہے ہیں، معصوم بچیاں بھی نہیں چھوڑیں کہ یہ دہشتگرد ہیں لیکن وہ دہشتگرد نہیں بلکہ حقیقت میں وہ پاکستان کے محافظ تھے۔

حقانیہ کی بنیادوں میں شہداء کا خون

الحمدللہ اس حقانیہ کی بنیادوں میں سید احمد شہیدؒ اور ان کے شہداء کا خون شامل ہے اور اس خون نے دنیا کی 2 سپر پاوروں کو اپنے وقت کے قیصر وکسریٰ کو تہس نہس کر دیا اور جغرافیہ سے ان کا نقشہ ہی نکال دیا تو بہرحال الحمدللہ یہ برکات ہیں اس جہاد کے اللہ اس کو جاری وساری رکھے، قیامت تک اس کی وجہ سے یہ حضرات حقانیہ سے محبت کرتے ہیں۔

معزز مہمان کی آمد کا شکریہ اور خوش آمدید

اور یہ ہماری سعادت ہے لوگ تلاش میں ہوتے ہیں ان کی ملاقات کے جب مجھے پتہ چلا کہ حضرت تشریف لائے ہیں تو پرسوں میں نے ٹیلیفون کیا ہمارے بھائی مولانا فہیم الحسن تھانوی صاحب ان کا بھی تعلق ہے، حضرت تھانوی صاحب سے تو ان کو میں نے کہا کہ حضرت کو میری خواہش پہنچا دیں کہ تکلیف تو ہو گی لیکن یہ ہزاروں طلباء مستفید ہو جائینگے۔ اس وقت 4۔5 ہزار طلباء ہیں دارالعلوم میں، اس میں ڈیڑھ ہزار صرف دورہ حدیث کی ہیں تو آپ کی زیارت ان کیلئے اکسیر ہے کیونکہ آپ حضرات لاہور، اسلام آباد اور کراچی تک آجاتے ہیں لیکن ہم دورافتادگان محروم رہ جاتے ہیں۔ ضرورت یہ ہے کہ ان حضرات کو بھی آپ کا یہ پیغام آپ کی زیارت کا شرف حاصل ہو میں پورے دل وجان سے تمام اساتذہ، مدرسہ اور طلبہ کی طرف سے حضرت کو خوش آمدید کہتا ہوں اللہ ان کی آمد ہمارے لیے مبارک فرمادے۔

خطاب حضرت مولانا سیلمان ندوی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! نحمده و نستعينه و نستغفره و نتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيات اعمالنا من يهدى الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله و نشهد ان محمداً عبده ورسوله اما بعد! فاعوذ بالله من الشيطٰن الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ

حقانیہ اور حقانی خاندان سے اظہار محبت

میں انتہائی ممنون ہوں حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ اوران کے خانوادے سے میں بہت زمانے سے واقف ہوں الحمد للہ مجھے موقع بھی ملا ہے یہاں حاضری کا پاکستان کے مدارس جو اس وقت ہیں اس میں اس مدرسے کا ایک نام ہے شہرت ہے جس نسبت سے وہ پہچانا جاتا ہے اور اس میں حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کے والد ماجدؒ ان کا خانوادۂ بزرگ کی ذات سے یہ مدرسہ وابستہ ہے یہاں آپ حضرات بھی ان کی ذات سے وابستہ ہیں اوران کا ایک مقام ہے اور ایسا مقام ہے کہ جو دشمنوں کی نظر میں بھی ہے اور اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی مدد ونصرت حاصل ہے اور ان شاء اللہ ایسا ہی قائم رہے گا اور امید ہے کہ ان شاء اللہ اللہ تعالیٰ آپ کی کوششوں کو ضائع نہ فرمائینگے میرے لیے یہ سعادت ہے یہاں حاضری اور اس مدرسے کی شہرت اور اس مدرسے کے کام اور اس مدرسے کے جو حقائق مجھے معلوم ہیں اور لوگوں سے بھی معلوم ہوتے رہتے ہیں آپ حضرات نے اس مدرسے سے تعلق قائم کیا ہے۔ ماشاء اللہ۔

تقسیم سے قبل مدارس اور یونیورسٹیوں کا نظام مختلف نہج پر تھا

حضرت نے فرمایا کہ یہاں ۱۵۰۰ حدیث کے طلباء ہیں، حدیث ہے فقہ ہے تمام چیزوں کی تعلیم ہو رہی ہے اور دشمن پر جولرزہ ہے وہ انہی باتوں کی وجہ سے اور یہ بات بڑی اچھی طرح سے سمجھنے کی ہے کہ تقسیم ہند سے پہلے جو مدارس اور یونیورسٹیوں کا نظام تھا وہ ایک دوسرے نہج پر تھا وجہ ظاہر ہے کہ انگریزوں کی آمد تھی اس لیے مدارس کا نظام اور یونیورسٹیوں کا نظام دو مختلف نہج پر تھا اس وقت اس کی شاید ضرورت بھی تھی جب انگریزوں کی آمد ہوئی، ہندوستان میں ہوئی تھیں تو مدارس کا یہ نظام جو اس وقت ہے وہ اس وقت نہیں تھا مدرسے کی خاص بلڈنگ نہیں ہوا کرتی تھی یعنی عمارت وغیرہ نہیں تھی۔

اساتذہ ہوا کرتے تھے جن کے پاس طلباء جایا کرتے تھے کوئی فقہ کا استاد کوئی منطق کا استاد کوئی تفسیر کا استاد انگریزوں کی آمد کے بعد ضرورت پڑی کہ ادارے قائم کئے جائیں چنانچہ دیو بند قائم ہوا اس کا ری ایکشن اس کا ردعمل علی گڑھ کی شکل میں ظاہر ہوا اور ان دونوں کے ردعمل میں پھر ندوۃ العلماء کا قیام ہوا۔

دیو بند علی گڑھ اور ندوۃ العلماء کا قیام

سرسید نے جو یونیورسٹی قائم کی ان کا خیال یہ تھا کہ مغربی علوم کے ادارے بھی ہونے چاہئیں اور اسلامی علوم کے بھی، لیکن ہوا یہ کہ مغربی علوم جو تھے وہ دینی علوم پر غالب آ گئے اسلئے دو مختلف گروہ سامنے آئے ،ایک دیو بند سے تعلق اور دوسرا علی گڑھ سے تعلق تھا،ان دونوں کے درمیان اتصال کی ضرورت تھی، اس کیلئے ندوۃ العلماء کا قیام ہوا اور وہاں ایسے علوم بھی داخل کئے، مثلاً ریاضی (Mathematics) ،فلسفہ، اور منطق تو خیر تھی ہی، اس کے علاوہ عربی پر زور دیا گیا،تاریخ پر زور دیا گیا سیرت پر زور دیا گیا ،الحمدللہ کامیاب ہو کر پاکستان کا قیام ہوا۔اب جو بات میں کہنے جا رہا ہوں اسکو ذرا غور سے سنئے اور سمجھئے کہ جب پاکستان بن گیا۔

قائد اعظم نے پاکستان کا جھنڈا ان اکابر سے لہرایا

اور جو نعرہ ہمیں دیا گیا جیسا کہ پاکستان میں ہوگیا کہ لا الہ الا اللہ کا غلبہ ہوگا، اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ جب پاکستان بن گیا ،تو کراچی میں پاکستان کا جھنڈا وہاں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے لہرایا اور ڈھاکے میں مولانا ظفر احمد عثمانی نے لہرایا اور یہ کام قائد اعظم خود کر سکتے تھے، پر قائد اعظم نے یہ نہیں کیا، ان علماء کے حوالے کیا، حضرت تھانویؒ کی تائید رہی ۔

مولانا عثمانیؒ اور مولانا حسین احمد مدنیؒ کا اپنا اپنا موقف

جب جمعیت علماء اسلام کا قیام ہوا ، جمعیت علماء اسلام کا تو جمعیت علماء ہند کے صدر مولانا حسین احمد مدنیؒ اور دوسرے ان کے جو اصحاب تھے تین دن تک انہوں نے دیو بند میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ سے مباحثہ کیا کہ وہ جمعیت علماء اسلام کو ختم کر دیں اور ہماری جمعیت میں شامل ہو جائیں اور اس وقت انگریزوں کو نکالنے کے بعد پھر ہم دوسری جنگ لڑیں گے ۔حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی صاحبؒ قائل نہ ہوئے اور جمعیت علماء اسلام قائم رہی اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کا کہنا یہ تھا کہ ٹھیک ہے انگریز چلے جائیں گے اس کے بعد پھر ہمیں دوسری جنگ ہندوؤں سے لڑنی پڑے گی،اس کے لئے پھر مزید طویل مسافت طے کرنی پڑے گی، اس کے برخلاف آپ حضرات اگر ہمارا ساتھ دیں تو منزل آسان ہو جائے گی، لیکن تاریخی طور پر پاکستان بننے کے بعد قائد اعظم کا انتقال ہوگیا، مولانا شبیر احمد عثمانی صاحبؒ کا بھی انتقال ہوگیا اور مولانا ظفر عثمانی صاحبؒ کا بھی انتقال ہوگیا۔

کالج یونیورسٹیاں سیکولرازم کی فیکٹریاں

۵۰ء۔۵۱ء میں علماء کا ایک بڑا اجتماع تھا جس میں بڑے بڑے علما (جن کا نام آپ سنتے ہیں) وہ موجود تھے، مختصر طور پر میں بات جو کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ چاہئے تو یہ تھا کہ یونیورسٹیوں کے نصاب میں اسلامی علوم کو مستقل درجہ دیا جاتا اور مدارس کے نصاب میں کچھ تبدیلی ہوتی جو اس وقت نہیں ہوئی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ یونیورسٹیاں جو ہیں وہ دراصل سیکولرازم کی فیکٹریاں ہیں، یونیورسٹیوں کے نصاب میں کسی جگہ کسی بھی مضمون میں کسی بھی فیکلٹی میں چاہے وہ سوشل سائنس ہو، میڈیکل سائنس ہو، انجینئرنگ ہو، کوئی بھی ہو اس میں خدا کا کوئی تصور نہیں ملتا، نتیجہ یہ ہے کہ وہاں کے جو متخرج ہیں وہ عقیدتاً مسلمان ہیں، عبادتاً مسلمان ہیں، مگر فکری طور سے وہ مسلمان نہیں ہیں، مطلب یہ ہے کہ فکری طور سے ان کا تعلق سیکولر آئیڈیا سے ہے۔

تحصیل علم کا الگ الگ مطمح نظر

آپ حضرات نے یہاں اور دوسرے مدارس میں داخلہ لیا ہے تو ظاہر ہے آپ نے سوچ سمجھ کر داخلہ لیا ہے، آپ نے اپنے مستقبل کا کچھ خیال بھی کیا ہوگا اور یہ کہ آپ کے مدرسے کا اور مدرسوں کا نظام، یونیورسٹیوں سے بالکل مختلف ہے، یونیورسٹیوں کے نظام میں جو تعلیم دی جاتی ہے اس کا مطمح نظر کسی نہ کسی ملازمت کا حصول ہوتا ہے، آپ کا مطمح نظر بالکل دوسرا ہے، اور جبکہ آپ نے مدرسے میں داخلہ لیا ہے اس میں آپ نے اپنے مستقبل کا بھی فیصلہ کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے رزق کا وعدہ کیا ہے وہ کسی نہ کسی شکل میں ملے گا، ان شاء اللہ۔

علم نبوت کے ساتھ ساتھ نور نبوت حاصل کرنے کی ضرورت جس کا فقدان ہے

آپ کے مدارس کی تعلیم کا جو سب سے نمایاں مقام ہے وہ اللہ تعالیٰ پر اعتماد مستقبل کا اور اپنے حیات وممات کی فکر کا عنصر ہے اور ایک بڑی کمی جو عام مدارس میں ہوتی ہے ایک زمانہ تھا دیوبند میں جب دیوبند سے بعض طلبا فارغ ہوتے تھے تو دوسال کے لئے ان طلبا کو کسی نہ کسی شیخ کے پاس تربیت کے لئے بھیجا جاتا تھا تاکہ ان سے تربیت حاصل کرسکیں، تربیت سے مراد یہ ہے کہ میرے والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ایک تو ہے علم نبوت اور ایک ہے نور نبوت۔ صحابہ کرامؓ کو اس کی ضرورت نہ تھی، لیکن صحابہ کرامؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ تھے۔ ان سے وہ علم بھی سیکھ رہے تھے اور نور نبوت بھی سیکھ رہے تھے، دونوں چیزوں کا کام ہو رہا تھا، اس لئے ان کو مزید کسی چیز کی ضرورت نہیں تھی۔

علامہ ندوی اس کمی کو پورا کرنے حضرت تھانویؒ کے ساتھ وابستہ ہوئے

اس کے برخلاف جیسا کہ مخالف بڑھتے چلے گئے، علم نبوت تو حاصل ہوتا رہا لیکن نور نبوت کا

فقدان تھا اسی لئے بڑے بڑے علماء جن کے آپ نام سنتے ہیں انہوں نے اپنے آپ میں یہ کمی پائی وہاں حاضر ہوئے خود میرے والد ماجد نے جب حضرت تھانویؒ کے ساتھ تعلق قائم کیا، تعلق کی ابتداء ۱۹۲۹ء یا ۱۹۳۰ء میں ہوئی اور میرے والد ماجد نے لکھا حضرت تھانویؒ کو میں مسائل علمی کی الجھنوں سے نجات کا وسیلہ گردانتا تھا اور حضرت تھانوی کو جب اپنے کوائف لکھے تو اس میں ایک بات لکھی کہ عقیدے میں میں امام مالکؒ کے عقیدے کا قائل ہوں، اس طرح برائے تربیت اپنے وہ تمام کوائف لکھے اور ان کو بھیجے اس میں آخری خط یہ لکھا کہ فقہ میں توسیع رکھتا ہوں متاخرین کے اقوال کا پابند نہیں ہوں، لیکن میں نے آج تک کسی ایسی رائے پر عمل نہیں کیا جس کی دلیل مجھے سلف صالحین میں نہ ملی ہو اور اس طرح سے اس اصلاحی نسبت کا آغاز ہوا۔

علم نبوت کا اہم پہلو تربیت

کہنا یہ چاہ رہا ہوں کہ آپ نے علم نبوت تو حاصل کی اور علم نبوت کا دوسرا پہلو جو ہے کہ تربیت ایسی ہونی چاہیے کہ جس کو دیکھ کے لوگ مسلمان ہوں، پرانے زمانے میں لوگ مسلمان ہوا کرتے تھے، آج کا عالم یہ ہے کہ پوری دنیا میں جو مسلمان ہوتے ہیں وہ مسلمان جب ہوتے ہیں تو ان کے اندر ایک طلب ہوتی ہے، وہ مسلمانوں کے اندر شریک ہوتے ہیں اور دیکھتے ہیں ان کو پھر دیکھ کر مسلمان ہوئے ہیں، میں نے جو ابھی سورۃ تلاوت کی ہے اس میں آج کی اس حقیقت کا جواب ہے۔

علم الاصول کی اہمیت

آپ میں سے جو بھی علوم آپ حاصل کر رہے ہیں فقہ ہے، حدیث ہے اس میں ایک چیز جس کی مجھے کمی محسوس ہوتی ہے، ہر جگہ میں نے یہ بات کہی ہے کہ ابھی جامعہ اشرفیہ میں بھی یہ بات کہی دارالحدیث میں ماشاءاللہ تین چار سو طلبا تھے، وہاں علم الاصول کی اہمیت پر بات کی ہر علم کے اپنے اصول ہوتے ہیں جیسے فقہ کے اصول، اصول حدیث ہیں، اصول تفسیر ہیں، اصول پر اگر گہری نظر ڈالی جائے اور زور دیا جائے تو قبلہ صحیح ہو جائے گا تو اس پر جو عمارت تعمیر ہوگی تو وہ بھی صحیح ہوگی، لیکن اگر آپ نے اصول سے اعراض کیا، سمجھنے میں غلطی کی تو اس میں بہتری کی گنجائش کہاں حاصل ہوتی ہے۔

طالب علم کا سب سے نازک وقت فراغت کے بعد کا زمانہ ہے

ایک بات یاد رکھیئے! اور وہ یہ کہ طالب علم کا سب سے نازک وقت وہ ہوتا ہے جب وہ اپنی تعلیم ختم کرتا ہے، جب تک وہ مدرسے کی چار دیواری میں ہوتا ہے، مدرسے کے حصار میں ہوتا ہے، تو اپنے اساتذہ کی گرفت میں ہوتا ہے لیکن تعلیم ختم ہونے کے بعد جب وہ دنیا میں قدم رکھتا ہے تو اس وقت اس کو

مختلف خیالات اور حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، وہ ایسی لہر ہوتی ہے جس میں اپنے آپ کو ثابت قدم رکھنا بڑا مشکل ہوتا ہے، اگر تربیت صحیح نہ ہوئی ہو تو اس میں بہتری کی گنجائش ہوتی ہے، حضرت علی میاںؒ نے ایک بات لکھی ہے کہ بعض تحریکوں کے جو قائدین تھے وہ جاہل نہیں تھے وہ پڑھے لکھے لوگ تھے لیکن ان کی تربیت نہیں ہوئی تھی، ان کو تراشا نہیں گیا تھا، اس لئے وہ بہک گئے بہت سی مثالیں اس کی دی جاسکتی ہیں۔

زمانہ کے لئے لفظ والعصر کا استعمال

اس سلسلے میں جو سورت ابھی میں نے پڑھی ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے وَالْعَصْرِ کا لفظ استعمال کیا ہے، زمانے کے لئے اور بھی دوسرے الفاظ استعمال کئے جاسکتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے وَالْعَصْرِ کا لفظ استعمال کیا وَالْعَصْرِ کا معنی اگر عام طور سے لیا جائے، زمانہ ہے جو بھی ہے ایک تو یہ مستقبل اور حال ہے، اور ایک ماضی مستقبل جو ہونے والا ہے، وہ حال بن رہا ہے اور جو حال ہے وہ ماضی بن رہا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ تو یہ جو تین حالتیں ہیں، ان میں خسران اللہ تعالی نے کہا کہ ہوگا اور اس سے نجات پانے کے لئے قاعدہ قانون کو شرط میں رکھا اور جو ماضی ہے وہ گزر گیا، اور جو حال ہے وہ ماضی بن رہا ہے اور جو مستقبل ہے اگر وہ حال پر ٹھیک آجائے اور پھر ماضی ٹھیک آجائے تو آپ کا قبلہ بھی درست رہے گا، لیکن اللہ تعالیٰ نے پھر اس میں شرط لگائی کہ عام طور پر اس خسر میں ہر شخص مبتلا ہے اس خسران سے وہی بچ سکتا ہے جو ایمان لایا اور عمل صالح کیا، آپ ذرا غور فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات فرمائی اس کا ایمان کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ ایمان پر ذرا غور کریں، سب سے پہلے آپکے دل میں یہ احساس پیدا ہوتا ہے آپ حضرات نے پڑھا ہوگا کہ ایمان مع عمل الصالح توصیہ حق و صبر کے ساتھ مطلوب ہے تو قلب میں اگر ایمان کا تقاضہ پیدا ہوا تو آپ نے اس ایمان کا اظہار اپنے زبان سے تو کرلیا مگر مسئلہ تب بھی حل نہ ہوا، اس لئے ایمان تو آپ کا دعوی ہے اور دعوے کو ثبوت چاہیے۔

منافقین مدینہ اس دور کے منافقین سے بہتر تھے

مدینہ منورہ میں منافقین کا مستقل گروہ تھا جو آج کل کے منافقین سے بالکل بہتر تھے وہ کم از کم حضورؐ کی حیات میں مسجد نبویؐ بھی آتے تھے۔ نماز بھی پڑھ لیتے تھے، روزہ بھی رکھ لیتے تھے، عام مسلمان جو کام کرتے تھے وہ بھی کرلیا کرتے تھے، لیکن اس کے باوجود قرآن شہادت دیتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں، سورۃ المنافقین میں موجود ہے قرآن کریم میں ہے تو ایمان کا تقاضا جو قلب میں ہوا۔ تو اس کا آپ اظہار بھی زبان سے کرتے ہیں تو ایمان تو آپ کا دعویٰ ہوا، آپ نے اس کا اقرار بھی کردیا، یہ عین ممکن ہے کہ آپ کے دل میں کچھ اور ہو اور زبان پر کچھ اور ہو اس لئے اس کا تعلق نفاق سے ہے، تو جب یہ آپ کا دعویٰ ہے

اور دعوی پر ثبوت چاہیے۔ قرآن میں جہاں جہاں بھی ایمان کا ذکر ہے وہاں عمل صالح کا ذکر ہے اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ تو اس خُسران سے وہی لوگ بچ سکتے ہیں جن کا اللہ پر ایمان ہو، ادوسری ہیں عبادات اس کے بعد معاملات اس کے بعد اخلاق تو کسی نہ کسی شکل میں ہم ایمان رکھتے ہیں۔ الحمدللہ کوئی مسلمان شرک کا قائل نہیں ہے اور ہم نمازیں پڑھتے ہیں۔

عبادات مقصود نہیں ذریعہ ہیں

عبادات بھی ہم کر لیتے لیکن جو میدان خالی ہے وہ ہمارے معاملات اور اخلاق کے ہے اس لئے کہ ہم لوگوں نے عبادات کو مقصود سمجھا ہے، حالانکہ عبادات مقصود نہیں ہیں عبادات ذریعہ ہیں کسی چیز کے حاصل کرنے کا، قرآن پاک کی آیتوں میں ان تمام عبادات کا ذکر ہے، نماز کا روزے کا زکوۃ کا، حج کا ان سب میں اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے کہ میں تم سے اس کے ذریعے کیا حاصل کرنا چاہتا ہوں (ان الصلوة تنهى عن الفحشا والمنكر) اگر ہماری نماز ہمیں منکر اور فحش کاموں سے نہ روکتی ہو تو ہمارا ایمان اور ہماری نماز نہیں تو قرآن کی آیات تو برحق ہے قرآن کے فیصلے تو برحق ہیں تو نماز پڑھنا الگ چیز ہے اور نماز سے جو ہمیں فائدہ اور نتیجہ حاصل کرنا ہے وہ ایک الگ چیز ہے ہمارے شیخ فرمایا کرتے تھے کہ عین ممکن ہے کہ ہم مسجد میں آجائیں ایک گھنٹے پہلے آدھا گھنٹا پہلے اور سو رکعت ہم نفل پڑھ لیں یہ تو آسان ہے لیکن اس نفل پڑھنے کے بعد جب ہم مسجد سے باہر جاتے ہیں تو جو امتحان گاہ ہے ہمارے ایمان کا وہاں ہم کیا کرتے ہیں تو اس لئے یہ بہت بڑی غلطی ہے اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے، اس لئے آپ نے اعلان تو کر لیا لیکن اس سے جو فائدہ حاصل ہونا چاہیے اگر وہ حاصل نہ کر سکے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے یہ تو ایک نسخہ ہے اور نسخے کو مکمل طور سے حاصل کرنا چاہیے۔

میدان عمل میں ایمان کا امتحان

تو جب میدان عمل میں آپ قدم رکھتے ہیں وہی آپ کے ایمان کا امتحان ہوتا ہے وہی اللہ تعالیٰ سامنے جوابدہی آپ کو کا احساس ہوتا ہے قرآن نے شرط لگائی ہے کہ ایمان مع العمل الصالح، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک چیز بری ہے اور اچھی بھی، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ فیصلہ کون کرے گا کہ عمل صالح کیا ہوگا اور غیر صالح کیا ہوگا، خیر کیا ہے اور شر کیا ہے؟ اس کا تو کوئی معیار ہونا چاہیے اس کا قرآن نے فیصلہ کیا ہے۔ اس لئے ہر وہ رواج، ہر وہ عادت، ہر وہ چیز، ہر وہ تصور، ہر وہ فلسفہ جس کا تعلق جس کا معیار اسلام نہ ہو، وہ قابل رد ہے، یعنی رد کے قابل ہے تو جب یہ مسئلہ طے ہو چکا تو اس سے معلوم جو ہوا ہے، وہ اسلام ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے قرآن میں، اب جو یورپ کا تعلق ہے، عیسائیت کو لے

لیس اس میں قبیح کا کوئی معیار نہیں، خیر وشر کا کوئی معیار نہیں، ان کے جو عہد نامہ جدید ہے وہ قانون کی بنیاد نہیں ہے، وہاں قانون نہیں ہے، وہاں صرف اخلاقی چیزیں ہیں، ہفتے ہفتے چرچ میں جانا اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے تو چونکہ ان کا معیار بدلتا رہتا ہے، کل جو اچھی چیز ہے آج بری ہے، کل اچھی ہو جاتی ہے اس لئے کہ ان کا معیار فکس نہیں ہے، معیار متعین نہیں ہے۔ اس کے برخلاف یہودیوں کے ہاں جو کتاب (تورات) ہے قانون ہے ان کے اندر یعنی اس قانون کے تحت آپ کسی یہودی سے کہیں کہ کھا لو وہ کبھی نہیں کھائے گا اور بہت سی چیزیں ہیں تو اس سے معلوم یہ ہوا کہ معیار جو ہے اسلام میں وہ متعین ہے، اور اسلئے اگر آپ کوئی غلط کام کریں گے آپ کریں یا کوئی بھی کرے تو غلط کام کریں گے، تو اسلام اس کا فتوی دے گا کہ آپ نے غلط کام کیا ہے، اس سے معلوم یہ ہوا کہ جو معیار متعین ہے وہ فتویٰ تو دے گا کہ آپ نے کام غلط کیا ہے، اور صحیح کیا تو صحیح کیا ہے۔

معاملات اور اخلاق مومن اور غیر مومن کا فرق متعین کرتے ہیں

جب یہ طے ہو چکا پھر عمل کے دو حصے، عمل کا وہ حصہ جو ظاہر ہے جو ہم کرتے ہیں، عبادات ہے یا دوسرے احکامات جو ہم کرتے ہیں اور ایک باطن ہے ایک باہر کا ہے، ایک اندرون کا ہے، ہمیں دونوں کو سنبھالنا ہے اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے جو تقویٰ کا لفظ استعمال کیا ہے تو تقوی سے کیا مراد ہے؟ تقویٰ سے مراد اچھے کاموں میں اور برے کاموں میں تمیز کرنا، دونوں کے سلسلے میں حضرت تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ جس کو انسان بننا ہے وہ ہمارے پاس آجائے جس کو پیر بننا ہے وہ کسی اور کے پاس جائے اور اس میں سب سے زیادہ حضرت کا زور معاملات پر اور اخلاق پر تھا، یہی دو چیزیں ہیں انسان کو مومن اور غیر مومن کا فرق متعین کرتے ہیں، ایمان تو آپ کے قلب میں ہے، عبادت آپ نے کر لی لیکن اس عبادت کے بعد اس کے نتیجہ میں جو ثمرہ ہونا چاہیے تھا وہ آپ نے حاصل نہیں کیا، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے اخلاق میں ہمارے کردار میں ہمارے عبادات میں کچھ کمی ہے، اسی لئے وہ معاملات پر زور دیتے تھے۔

مولانا مفتی محمد حسنؒ کو بیعت دینے کیلئے حضرت تھانویؒ کی تین شرائط

مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ جنہوں نے جامعہ اشرفیہ قائم کیا، وہ مفتی ہو چکے تھے، فارغ ہو چکے تھے انہوں نے حضرت تھانویؒ سے بیعت کی درخواست کی، حضرت تھانویؒ نے ان کے لئے تین شرطیں رکھیں، جب وہ فارغ اور مفتی ہو چکے تھے، افتاء کا کام کر رہے تھے، اس کو کوئی پس و پیش نہیں ہونا چاہیے تھا، وہ اپنی اس شہرت کو پہنچ چکے تھے، پہلی شرط انہوں نے یہ رکھی کہ چونکہ آپ کا تعلق پنجاب سے ہے اسلئے آپ کو کاف اور قاف میں پریشانی ہوتی ہے اس لئے آپ کسی ایسے استاد کی شاگردی کریں جس کے مخارج

صحیح ہوں، اور کاف اور قاف کا جو فرق ہے وہ ظاہر ہو، ظاہر ہے قلب کو کلب کر دیں گے تو کچھ اور ہو جائے گا، تو اسلئے پہلی شرط تو یہ پوری کرنی ہے، دوسری شرط یہ رکھی کہ آپ نے حدیث کی تعلیم ایک اہل حدیث عالم سے حاصل کی ہے لہٰذا کسی دیوبندی عالم سے حدیث کا درس لو، اور یہ دونوں شرطیں بہت آسان تھیں، جو بات میں ابھی عرض کر رہا ہوں وہ معاملات ہیں اور حدیث کی برکت ہے، حضرت مفتی صاحب کی دو بیویاں تھیں، تو حضرت تھانویؒ نے کہا کہ اپنی دونوں بیویوں سے یہ خط لکھوا کر بھیجو کہ وہ تم سے اور تمہارے معاملات سے خوش ہیں؟ پہلے دو کام تو بہت آسان تھے، تیسرا جو کام تھا کہ وہ مشکل تھا کہ اپنی دونوں بیویوں سے یہ خط لکھوا کر بھیج دو کہ وہ تم سے اور تمہارے معاملات سے خوش ہیں؟ تو مفتی محمد حسنؒ حضرت تھانویؒ کے عشاق میں سے تھے۔ انہوں نے یہ شرط بھی پوری کر دی، دونوں بیویوں سے خط لکھوایا اس کے بعد پھر ان کو مرید کیا۔

حضرت تھانویؒ کے ہاں معاملات کی اہمیت

حضرت مفتی صاحب کا میں نے یہ واقعہ اس لئے بیان کیا کہ حضرت تھانویؒ کے ہاں معاملات ہی اسلام تھا اور اسی طرح تمام تر قوانین کا اخلاق کے ساتھ تعلق ہے تو اس لئے ایک مومن کا جو معیار ہے وہ ایمان اور عبادات اپنی جگہ پر ہیں، اس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے لیکن معاملات اور اخلاق کا تعلق عام لوگوں سے ہے، اس لئے دنیا میں جن کا سامنا کرنا پڑتا ہے، چاہے گھر کا معاملہ ہو، باہر کا معاملہ ہو، دکان میں ہوں، یونیورسٹی میں ہوں کسی بھی جگہ میں ہوں۔

دین سیکھا جاتا ہے پڑھا نہیں جاتا

میں چھوٹی سی مثال دیتا ہوں جو باطنی امور کی بات میں کر رہا تھا کہ ایک تو اعمال ظاہری ہیں دوسرے اعمال باطنی ہیں کہ جو ظاہری برائیاں ہیں ان کو بھی چھوڑ و اور جو باطنی خرابیاں ہیں ان کو بھی چھوڑو۔ تو جہاں تک دین کا تعلق ہے تو دین تو سیکھا جاتا ہے، پڑھا نہیں جاتا۔ صحابہ کرامؓ نے نماز پڑھی نہیں تھی سیکھی تھی، جس طرح جب مسلمان بچے ہوتے ہیں ان کو آپ مکتب بھیجتے ہیں اب آپ جب چھوٹے تھے تو آپ نے نماز سیکھی تھی آپ نے نماز پڑھی نہیں تھی، اس کی ہدایات تو موجود ہیں کتاب کے اندر، پھر آپ نے نماز سیکھی تھی کہ کیسے پڑھی جائیگی؟ نماز میں کیا پڑھا جائیگا؟ تو اس طرح دین جو ہے وہ سیکھا جاتا ہے اور سیکھنے میں سب سے بڑا مرحلہ جو آتا ہے وہ باطنی امور کا ہوتا ہے، ہمارے نصاب کا تعلق اس لحاظ سے بھی تھا کہ باطنی امور پر بھی عبور حاصل ہو اور جو ظاہری امور ہیں ان پر بھی عبور حاصل ہو، تب آدمی پکا مسلمان بنتا ہے۔

تواصی بالحق اور تواصی بالصبر

اچھا جب یہ ہوگا تو اسکے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ مطلب یہ کہ مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کو بھلائی کی تلقین اور اس کو نصیحت کردے اور اس کے بعد وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ کہ ان کے ادا کرنے میں جو مصیبتیں اور مشکلات درپیش ہوں اس کو عبور کر کے وہ کام چھوڑے نہیں، وہ کام کرتے رہیں، یہ ہے اصل چیز اب استقامت کی جو بات ہوتی ہے، وہ اس لئے کہ جو بھی اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کرنے یا نہ کرنے کا، اس سلسلہ میں جو مشکلات پیش آتی ہیں صبر سے مراد بیچارگی نہیں ہے جیسے عام طور پر ہم کہتے ہیں کہ صبر کرلو، اس سے مراد یہ ہے کہ حق پر جن مصائب ومشکلات کا سامنا کرنا پڑے وہ ان مشکلات پر قابو پائے اور اس کو چھوڑے نہیں وہ کرے، یہ اصل چیز ہے اب تو میں نے جو مختصر سورت بیان کی ہے اس سے آپ کو ایک بات سمجھ میں آ گئی ہوگی۔

طلبا مدارس کا مابہ الامتیاز اساتذہ سے رشتہ جڑا رہنا

آخری بات طلبا کیلئے وہ یہ ہے کہ اساتذہ آپ کیلئے نمونہ ہوتے ہیں، مدارس کا مابہ الامتیاز جو نشان ہے کہ اساتذہ سے آپ کا رشتہ جڑا ہونا چاہیے، آپ کتنے ہی عالم فاضل ہوجائیں لیکن اساتذہ سے آپ کا رشتہ جڑا ہونا چاہیے، اسکے برخلاف یونیورسٹیوں میں اساتذہ کا تعلق تجارتی ہے، کلاس کے باہر آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں، آپ کچھ بھی کریں، اِس وقت یونیورسٹیوں میں جو ہنگامہ ہے پریشانی ہے وہ یہی چیز ہے، نہ تو اساتذہ ٹھیک نہج پر ہیں اور نہ طلبہ ٹھیک نہج پر، تو جو معیار ہے وہ خود درہم برہم ہے تو ظاہر ہے کہ ان طلباء کا بھی یہ حال ہوگا عزت واحترام کا کوئی وجود نہیں ہے، وہ اساتذہ کے خلاف ہر روز ہنگامہ کرتے ہیں۔

فراغت کے بعد بھی اساتذہ سے وابستگی

اسکے برخلاف ہمارے مدارس کے علماء کی شان یہ ہے کہ اساتذہ سے تعلق نہ صرف ایک درجے پر قائم رہتا ہے بلکہ درجے سے باہر بھی رہتا ہے اور تعلیم کے ختم ہونے کے بعد بھی رہتا ہے، اس لئے تمام نصاب میں جتنی بھی مثالیں آپ دیں گے، ایمانداری میں ان کا تعلق اپنے اساتذہ سے جڑا رہا، اور اسی لئے وہ کسی منزل پر بھٹکے نہیں، اس لئے ہوتا یہ ہے کہ جب آپ تعلیم ختم کر کے جس میدان میں آپ قدم رکھتے ہیں وہاں ہر قسم کی چیزوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے ہر قسم کی کتابوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، تو اسمیں بھٹکنے کے زیادہ امکانات ہوتے ہیں، وہ لوگ بھٹکتے ہیں اور اس لئے اگر اساتذہ سے تعلق جڑا ہوتا ہے تو آپ کی رہنمائی آخر تک کرتے رہیں گے۔ ایک نصیحت میری آپ سے یہ ہے کہ آپ کا تعلق مدرسے سے ختم ہونے کے بعد آپ کے اساتذہ کے ساتھ جڑا رہے، تا کہ آپ بھٹکے نہیں کیونکہ دنیا بڑی خراب ہے، دنیا میں

ہر قسم کی چیزیں ہیں، ایک تو یہ مسئلہ ہے، دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جو علم آپ حاصل کر رہے ہیں آج کی دنیا بہت چھوٹی ہو چکی ہے، خاص طور پر فقہ کے معاملہ میں۔

میرے والد صاحب کا آخری زمانہ میں یہ خیال تھا کہ دار التکمیل کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جائے اور اس میں جو عنوانات رکھے تھے ایک تو عقلیات ہوں، فقہیات ہوں، ادبیات ہوں اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ادب کے ذریعے بڑی تباہی پھیلائی گئی، ہم لوگ جب چھوٹے تھے مکتب میں پڑھتے ہی ہماری تربیت شروع ہوتی تھی اسماعیل برقی کی نظم سے، اقبال کے شکوہ اور جواب شکوہ سے۔ ہمارا دلی لگاؤ اسماعیل برقی کے نظم سے ہوتا تھا، اقبال کے شکوہ اور جواب شکوہ سے ہوتا تھا، یہ آپ کو بنیاد مہیا کرتی تھی۔ آج کل لوگوں کو اس سے لگاؤ نہیں ہے اسلئے آج کل استاد اور شاگرد کے درمیان کوئی ادب کا پہلو نہیں ہوتا، اسکے برخلاف مدارس میں ایک دوسرا مسئلہ ہوتا ہے، ادب ہوتا ہے، احترام ہوتا ہے، عقیدت ہوتی ہے، ہر چیز میں برکت ہوتی ہے۔ اسلئے جب ٹھوس بنیاد پہنچتی ہے تو اسکی حفاظت بھی کرنی پڑتی ہے۔

نئے نئے مسائل کے حل کے لئے اصول فقہ پر عبور

اس لئے اگر آپ نے اس کی حفاظت کرنی ہے اور اسے محفوظ کرنا ہے تو اس سلسلے میں فقہی مسائل میں بھی غور کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ دنیا بہت چھوٹی ہو چکی ہے، لوگ یورپ جاتے ہیں کہیں اور جاتے ہیں، ہر جگہ جاتے ہی نئے نئے مسائل پیدا ہوتے ہیں، اس لئے اساتذہ کو چاہیے کہ اصول فقہ پر اتنا عبور پیدا کر دیں کہ جو مسائل پیدا ہوں اس کو وہ خود حل کر سکیں۔ مسائل کے احوال جو ہیں وہ اسی نہج پر حل ہونے چاہئیں، کوئی شافعی ہو، مالکی ہو، حنبلی ہو، حنفی ہو جو بھی ہو، آپ کا اپنا مسلک کچھ بھی ہو آپ کا ذاتی طور سے جو بھی مسلک ہے اس پر تو آپ شدت سے قائم رہیں لیکن جب مسائل کے حل کا وقت پیش آتا ہے تو پھر آپ کو اس میں وسعت کرنی پڑتی ہے اور مسالک کے احوال میں سے حل تلاش کرنا پڑتا ہے، اس کے لئے ضرورت پڑتی ہے کہ آپ فقہی طور پر مضبوط ہوں۔

آج کل ہندوستان میں طلاق ثلاثہ پر طوفان برپا ہے، آج سے کچھ ۴۰۔۴۵ سال پہلے بمبئی میں طلاق ثلاثہ پر ایک مذاکرہ ہوا تھا، اور حضرت سید صاحب اکبر الہٰ آبادی کے معاون تھے یہ مسئلہ اس وقت پیدا ہوا تھا شاید یہ اسی کی کڑی ہے، آپ اگر غور نہیں کریں گے تو دنیا آپ کو مجبور کر دے گی، اس پر غور کرنے کے لئے اس میں شرط یہ ہے کہ آپ کا قبلہ درست ہوتا کہ آپ کے اندر نفسانیت نہ ہو اور صحیح طور پر اس کو پیش کرنے کی سمجھ ہو، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہی کا احساس ہو۔

سیرت کا مطالعہ اور واقعات کا تجزیہ ضروری

میں ایک مدرسہ میں گیا دار الحدیث کے طلباء سے بیان کر رہا تھا میں نے ان سے پوچھا کہ آپ

کیا پڑھتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ کتاب المغازی میں نے پوچھا کتاب المغازی میں آپ کیا پڑھ رہے ہیں؟ تو انہوں نے کہا صلح حدیبیہ پڑھ رہے ہیں، میں نے ان سے سوال یہ کیا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم عمرے کی نیت سے گئے تھے اور احرام بھی باندھ لیا تھا اور غالباً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو احساس بھی تھا کہ مکہ میں داخل نہیں ہونے دیا جائے گا، تو سوال یہ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عمرے کے لئے داخل نہیں ہونے دیا گیا تو واپس کیوں نہ چلے گئے؟ واپس تو نہ گئے وہیں رہے اور قربانیاں بھی کیں، احرام بھی کھول دیا مگر پھر بھی بیٹھے رہے، اس کا جواب ان کے پاس نہ تھا، اس لئے کہ ان کو یہ باتیں بتائی نہیں گئیں تھیں۔ میرا کہنا یہ ہے کہ جب آپ تفسیر پڑھتے ہیں یا حدیث پڑھتے ہیں تو ان چیزوں کی طرف بھی غور کرنے کی ضرورت ہے کہ سیرت کے بغیر آپ آگے نہیں بڑھ سکتے اس لئے سیرت کا مطالعہ ضروری ہے سیرت صرف واقعات نہیں اس کا تجزیہ کرنا بھی ضروری ہے، اسی طرح سے جب آپؐ کسی جہاد پر یا بیرون سفر پر جاتے تھے تو اس میں ایک یہ بھی سٹریٹیجی ہوتی تھی یہ آدمی کی سٹریٹیجی ہوتی ہے کہ ایک صورت تو آپ ظاہر کرتے ہیں اور دوسری یہ کہ راز کو راز رکھنا ضروری ہوتا ہے تو ذہن میں اس سے پہلے جنگ بدر جنگ خندق ہو چکی تھی اور اب قریش کمزور ہو چکے تھے یعنی جہاد کے نقطہ نظر سے وہ کمزور ہو چکے تھے کہ ان کے اندر وہ صلاحیت ابھی باقی نہ تھی لیکن ان میں وہ صلاحیتیں تھیں کہ وہ آپ کو اور طریقوں کے ساتھ بھی مجبور کرتے تھے۔

صلح حدیبیہ کے فوائد اور مصلحتیں

آپ کا نظریہ یہ تھا کہ جب آپؐ مکہ مکرمہ سے واپس تشریف لائے تو مدینہ منورہ کے شمال میں یہودی تھے، جو خیبر میں جمع ہو چکے تھے اور جنوب میں پھر قریش تھے تو اگر آپ یہ فیصلہ فرماتے کہ ہم جا رہے ہیں یہودیوں سے لڑنے کیلئے شمال میں، تو یہ عین ممکن تھا کہ قریش پیچھے سے آپ پر حملہ کر دیتے اور اگر آپ قریش کی طرف فوج لے کر بڑھتے تو یہ عین ممکن تھا کہ شمال سے پھر یہودی اندر آ جاتے حملہ کرنے کیلئے تو بھی پھنس جائیں گے، تو اسلئے آپؐ نے عمرے کا اعلان فرمایا خیال یہ تھا کہ وہ اتنے کمزور ہو چکے ہیں کہ کسی نہ کسی معاہدے پر راضی ہو جائیں گے اور یہودیوں سے معاہدہ ممکن نہ تھا، وہاں بہت کچھ عداوت ہو چکی تھی اور وہ لڑنے کیلئے تیار تھے، اسکے برخلاف قریش اتنے کمزور ہو چکے تھے اور اس سے بڑھ کر حضرت ام حبیبہؓ حضورؐ کی زوجہ مطہرہ بن چکی تھیں، ابوسفیان جو قریش کے سردار تھے، ان سے رشتہ قائم ہو چکا تھا، اسلئے کسی نہ کسی معاہدے کے امکانات روشن تھے، اسلئے آپ نے وہاں سے فوراً واپسی کا ارادہ نہیں کیا اور معاہدہ شروع ہو چکا اور آپ نے تمام شرائط قبول کیں، یہاں تک کہ حضرت عمرؓ سے اختلاف بھی کیا اور عمر بھر وہ

اس کیلئے توبہ کے نفل پڑھتے رہے، اصل مقصد یہ تھا کہ قریش سے معاہدہ کیا جائے اور بھی بہت سی تفصیلات ہیں بیان کرنے کیلئے۔

جنگ بدر کی مصلحتیں

مثلاً جنگ بدر ہے، آپ سیرت النبیؐ کا مطالعہ کریں اس سے آپ کو اندازہ ہوجائیگا اسمیں مولانا شبلی نے تمام مستشرقین کی کتابوں اور تمام چیزوں کا ذکر کیا ہے ان سب کا کہ کس طرح ہوا۔

عام طور سے آپ دیکھیں کہ مستشرقین کا اثر یہ ہوا مسلمانوں پر بھی کہ جو قافلہ واپس آرہا تھا شام سے مکہ مکرمہ جارہا تھا، کیا اس قافلہ پر حملہ مقصود تھا پھر وہ جنگ بدر پیش آئی اور جنوب میں وہ قافلہ آرہا تھا شمال سے کیا یہ ناممکن تھا، صحابہ کرامؓ کیلئے کہ اس کو متفق کرکے اس پر حملہ کراسکیں۔ قرآن کریم کی آیت بھی موجود ہے اس کے اوپر بھی بعض صحابہؓ پر یہ قیادت خائف تھی، اس لئے ان چیزوں پر غور کرنے کی ضرورت ہے، ان چیزوں کو آپ ہی سمجھ سکتے ہیں کیونکہ آپ میں صلاحیت ہے اس لئے میرا کہنا یہ ہے کہ مدارس میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مطالعہ کا جزء بننا بہت ضروری ہے۔ ایک زمانے میں تھا تاریخ ایسی ہو، سیرت ایسی ہو اسی طرح اور چیزیں مطالعے میں آنا چاہئیں کسی نہ کسی وقت میں آجانا چاہیے، چاہے وہ طالب علم کے آخری حصے میں ہو لیکن ہو ضرور، اسکے بغیر آپ دنیا کو درپیش مسائل کا حل پیش نہیں کرسکتے، اسلئے اصول فقہ پر زور دو، تاریخ پر زور دو، سیرت پر زور دو، ان تینوں چیزوں کے بغیر آپ آگے نہیں بڑھ سکتے۔

انگریزوں سے قبل انجینئر کمانڈران چیف انہیں مدارس کے نکلے ہوئے ہوتے

ایک زمانہ تھا آپ ذرا غور فرمائیں کہ انگریزوں کی آمد سے بہت پہلے جو زمانہ گزرا ہے، شاہ ولی اللہؒ کو دیکھ لیں، امام غزالیؒ کو آپ دیکھ لیں، وہ مکمل تھے۔ میں آپ کو ایک مثال دوں ، اس وقت انہیں مدارس کے طلبہ متخرجین میں انجینئر بھی تھے، کمانڈران چیف بھی تھے، سب ہی کام کررہے تھے، یہ بڑی بڑی عمارتیں اس وقت بھی بنتی تھیں وہ جو انجینئر تھے، جنھوں نے بڑی بڑی عمارتیں تعمیر کی ہیں، ترکی میں اندلس میں جو انجینئر تھے ان کے جو کمانڈر چیف تھے وہ کسی آکسفورڈ یونیورسٹی کے پڑھے ہوئے نہیں تھے، جامع مسجد دہلی جائیں، جامع مسجد لاہور جائیں، اگر محراب پر جو قرآن کی آیت لکھی ہے اوپر سے لیکر نیچے تک، آپ ذرا غور کریں کہ آپ ذرا دور کھڑے ہوں تب بھی اور قریب کھڑے ہوں تو وہ لفظ اللہ کا سائز یا بسم اللہ جو بھی لکھا ہو تو جو سائز نیچے ہے وہ اوپر جاکر بھی وہی سائز نظر آتا ہے، یہ مہندس جو تھے، یہ حساب کتاب کرنے والے جو تھے یہ کسی انگریزی کالج میں پڑھے ہوئے نہیں تھے اسی مدرسے کے پڑھے ہوئے تھے۔

احساس کمتری میں مبتلا نہ ہوں ایمان اور حسن معاملات آپ کا ہتھیار ہے

حضرت عمرؓ کے زمانے میں سلطنت روم اور سلطنت ایران جو پیسہ پر چل رہی تھیں، یہ کمانڈر چیف کسی یونیورسٹی میں پڑھے ہوئے نہیں تھے یہ سلطنتیں حضرت عمرؓ کے زمانے میں نیست و نابود ہوگئیں، اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے جو علم حاصل کیا تھا اور جو تجربہ حاصل کرتے تھے، وہ اللہ تعالیٰ کیلئے حاصل کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی مدد بھی ان کو شامل ہوا کرتی تھی، کہنے کی بات یہ ہے کہ حق کے اندر ہم کسی احساس کمتری میں مبتلا نہ ہوں، یہ آپ کی قوت ہے، اس کو ضائع نہ ہونے دیں، اللہ تعالیٰ پر مکمل ایمان اور اپنے اللہ اور معاملات پر پوری توجہ رکھنا یہی آپ کے لئے ہتھیار ہے اور جب آپ اس سے فارغ ہو جاتے ہیں تو اللہ سے مدد طلب کریں اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اس پر، جو بات بتارہا ہوں اس پر ذرا غور فرمائیں۔

وعدہ خلافت وغلبہ سب ایمان کے ساتھ مشروط ہے

اللہ کا وعدہ یک طرفہ نہیں دوطرفہ ہے جہاں بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو اعلیٰ ہونے کی اور سلطنت کی پیشنگوئی کی ہے وہاں شرط لگائی ہے انتم الاعلون ان کنتم مومنین یہ ان کنتم مومنین جہاں بھی ہے یہ جملہ شرطیہ ہے تو لہٰذا جو شرط پوری نہیں ہوگی تو وعدہ بھی پورا نہیں ہوگا۔ یہ شرط اس وقت پوری ہوگی جب آپ اللہ تعالیٰ کی وہ شرط پوری کریں گے، اس لئے آج جو مسلمان ادھر ادھر بکھر رہے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ان کا رشتہ کٹا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ سے چونکہ رشتہ کٹا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ سے آپ نے جو وعدہ کیا تھا شروع سے لیکر آخر تک وہ وعدہ آپ پورا نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ اپنے وعدے پر قائم ہے لیکن ہم شرط پوری نہیں کرتے تو اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم شرط پوری کریں۔

کی محمدؐ سے وفا تونے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

اللہ تعالیٰ نے وہ قلم تجھ کو دیا ہے جس پہ قوموں کی تاریخ لکھی جاتی ہے، لیکن آپ نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا، تو اللہ تعالیٰ کیسے پورا کرے گا کیونکہ شرط ہے ان کنتم مومنین، اس شرط کو پورا کرنے کی توقع یونیورسٹی کے طلبہ سے کم ہے اور مدارس کے طلبہ سے زیادہ ہے، الا ماشاء اللہ

اقبال تو کسی مدرسے کا پڑھا ہوا نہیں تھا اگر وہ مدرسے کی تائید کرتا ہے اور مغربی تعلیم پر تنقید کرتا ہے کہ

ہم نے سوچا کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلی آئیگی الحاد بھی ساتھ

وآخردعوانا ان الحمد لله رب العالمين